(غلام گردش)

## آفاقی اصول

قدرت کے اصول کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتے۔کسی شخص کیلئے، نہ کسی مذہب کیلئے اور نہ کسی ملک کیلئے۔یہ اٹل نہیں بلکہ اس درجہ مستقل ہیں کہ ہزاروں برس کی انسانی تاریخ میں ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں بدلے۔ان اصولوں کی نفی یا گریز غیر معمولی طور پر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔قدرتی اصول انتہائی سادہ سے ہیں۔انکو پہچاننے یا بیان کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں لیکن نہ پہچاننے میں حد درجہ پیچیدگی ہے۔

سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ایک خاص زاویہ پر موجود رہتا ہے۔اسکے اردگرد ہماری زمین ایک مخصوص طریقے سے حرکت میں رہتی ہے۔سورج مغرب میں غروب ہوجاتا ہے۔انتہائی نازک زاویہ سے پوری کائنات گردش میں ہے۔اس میں کوئی تبدیلی نہیں۔بالکل اسی طرح انسانوں اور ملکوں کے داخلی معاملات ہیں۔انسانی شعور نے اصل ترقی صنعتی انقلاب اور اسکے بعد والے دور میں کی ہے۔سو سے ڈیڑھ سو سال کے مختصر سے دور نے انسانی سوچ کو اتنا تبدیل کیا جسکی مثال پچھلے ہزاروں سالوں میں نہیں ملتی۔تبدیلی ہرگز ہرگز تکلیف سے مبرا نہیں تھی۔قدم قدم پر بے مثال انسانی قربانیاں اور جدوجہد شامل ہے۔جس اکیسویں صدی میں ہم سانس لے رہے ہیں، وہ بنیادی طور پر صنعتی انقلاب کے بعد والی تبدیلیوں کی مرہون منت ہے۔جن قوموں نے یہ پہچان رکھا ہے، پوری دنیا انکے قدموں میں ہے۔حقیقت یہی ہے اور تلخ حقیقت ہے۔

مختلف قوموں نے عظیم جدوجہد کے بعد آزادی کی دہلیز پر قدم رکھا۔یہی لمحہ تھا جس میں انہیں قائدین کی ضرورت تھی جو قدرت کے پائندہ اصولوں کے مطابق اپنی قوم کو ترقی کرنے میں مدد کرتے۔بیسویں صدی کے آغاز میں کئی نئے ممالک وجود میں آئے۔سنگاپور، ملائشیاء، چین، جنوبی کوریا، نیپال، برما اور دیگر ریاستیں۔کسی تعصب کے بغیر ان ممالک کے موجودہ حالات دیکھیے۔دوبارہ عرض کرونگا کہ ان میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔سنگاپور کو لے لیجئے۔تقریباً ہمارے ساتھ آزاد ہونے والا ملک، اس وقت ایشیاء کا سب سے ترقی یافتہ خطہ ہے۔کسی حوالے سے بھی نظر ڈالیے۔جرائم مکمل طور پر ختم ہو چکے ہیں۔انصاف کا مثالی نظام موجود ہے۔ایک ایسا نظام جسکو دیکھ کر آپ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔صحت اور تعلیم کے شعبے قابل رشک ہیں۔ملائیشیا اس سے قدرے پیچھے ہے۔مگر نسلی بنیاد پر تقسیم شدہ ملک نے ایک آئینی معاشرتی معائدہ مرتب کیا ہے جسکی بنیاد پر تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔چین کے متعلق بات کرنا ویسے ہی عجیب سا لگتا ہے کیونکہ انکی بے مثال ترقی کی عمر تو صرف تیس برس ہے۔بھرپور توجہ اپنے ملک کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں۔تکلیف سے گزارش کر رہا ہوں کہ ہم نے بحیثیت قوم قدرت کے اصولوں کے خلاف رویہ اپنا لیا ہے۔بخوبی علم ہے کہ کس شاہراہ کے مسافر ہیں لیکن ہمیں یقین دلایا جا رہا ہے کہ کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ہر چیز ٹھیک رہے گی۔طالبعلم کی دانست میں یہ رویہ ہمیں داخلی طور پر ختم کر چکا ہے۔سچ یہ بھی ہے کہ دنیا کے جس حصے میں ہم زندہ ہیں، یہ تاریخ اور حال کے کسی بھی دور میں علم دوست یا تحقیقی رویے کا مالک نہیں رہا۔ہم ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہزار گالیاں دیں۔برطانوی سامراج کو برا بھلا کہیں۔لیکن ذرا دیکھیے کہ اگر وہ نہ آتے، اور یہاں وہی بادشاہت یا نسلی حکومتیں رہتیں، تو ہم کس حال میں ہوتے۔سوچتے ہوئے بھی خوف سا محسوس ہوتا ہے۔

کوئی مشکل بات نہیں کرنا چاہتا۔سادہ سے حقائق ہیں۔قدرت کا بنیادی اصول "انصاف" ہے۔ہم اس کلیے سے انحراف کرتے ہیں۔مختلف دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ ہم انصاف پسند لوگ ہیں۔اپنے نظام میں انصاف کو ریڑھ کی ہڈی سمجھتے ہیں۔مگر حقیقت بالکل برعکس ہے۔ہمارے پورے نظام اور زندگی کا انصاف سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔صفت انصاف اوپر سے لیکر نچلی ترین سطح تک عنقا ہے۔ذاتی زندگیوں اور سرکار کے ادنیٰ سے نظام سے بھی غائب ہے۔طالبعلم کئی بار لکھ چکا ہے کہ عدالتی نظام جو کہ پورے ملک کو انصاف فراہم کرنے کیلئے معمور ہے،اس قدر دقیانوسی اور غیر موثر ہے کہ اب عدالتی نظام بذات خود بے انصافی کا نشان بن چکا ہے۔درجنوں عوامل ہیں جو کہ کسی بھی سطح کے منصف پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں۔میرا عدلیہ سے بہت قریبی تعلق ہے۔میرے والد مرحوم دو دہائیوں سے زیادہ جج رہے۔اَن گنت ججوں کو ذاتی حیثیت میں جانتا ہوں۔ان میں سے اکثریت قائل ہے کہ صرف ایک مخصوص حدود میں ہی کام کر سکتے ہیں۔فائل اور سامنے پیش کردہ حقائق کے سامنے بے بس ہیں۔سچ تک پہنچنا انکے دائرہ اختیار میں ہے ہی نہیں۔ہائیکورٹ کے ایک انتہائی ایماندار جج مجھ سے کہنے لگے کہ ہم قانون کی عدالتیں ہیں نہ کہ انصاف کی۔مگر اس سوال کا جواب انکے پاس بھی ہرگز نہیں تھا کہ کیا قانون اور انصاف ایک ہی چیز ہیں۔ہوسکتا ہے کہ کئی بار قانون اور انصاف ایک دوسرے سے عملی تضاد میں ہوں۔انصاف دینا صرف اور صرف عدالتوں کا ہی کام نہیں۔تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کا بھی بنیادی فرض ہے۔حالات آپکے سامنے ہیں۔ساٹھ برس میں ایک ایسا ادارہ بتادیجئے جو مثال کی حیثیت رکھتا ہو۔مقصد مایوسی پھیلانا نہیں بلکہ سچ کو جاننے میں مدد کرنا ہے۔کیا انتظامیہ اپنے فرائض کا ایک فیصد بھی کام کر رہی ہے۔کیا پارلیمنٹ واقعی پارلیمنٹ ہے۔کیا فوج مکمل طور پر غیر سیاسی ہے۔ہم مبالغہ اور جھوٹ کی درمیانی کیفیت میں ہیں۔

اداروں سے نکل کر انصاف کو سماج میں تلاش کرنے کی کوشش بھی کر لیجئے۔خواتین کو آج بھی برابری کے دنیاوی یا دینی اصولوں کے مطابق مقام حاصل نہیں۔امیر ترین یا غریب ترین خاندانوں کو دیکھ لیجئے۔جائیداد کا اصل وارث بیٹا ہی ہوگا۔بیٹی کو آج بھی خدمت،قربانی اور وفا شعاری کے ڈبہ میں مقید کر کے اسکے انسانی وجود کی نفی کر دی جاتی ہے۔سینکڑوں لوگوں کو جانتا ہوں جو کہ انتہائی اصول پسند کہلوائے جاتے ہیں،مگر جہاں لڑکیوں کا معاملہ آئے،انکے رویہ بالکل اسی طرح کے ہوتے ہیں جیسے ایک غیر تہذیب یافتہ انسان کے۔شہر کے ایک رئیس چند سال پہلے کہنے لگے کہ فیکٹری تو اپنے بیٹے کو دے دونگا،ہاں،بیٹی کو ایک گھر بنا دونگا۔معاملہ ٹھیک ہو جائیگا۔ہم اتنے مشکل لوگ ہیں کہ اپنے گھر کی بچیوں کو شادی میں اپنی مرضی کا حق دینے کیلئے تیار نہیں۔اگر کوئی خاتون پڑھ لکھ کر انصاف مانگنے کی کوشش کرے تو نتائج بہت بھیانک ہو سکتے ہیں۔دو سال پہلے میرے پاس لندن سے ایک دوست تشریف لائے۔لاہور سے منسلک ایک خاتون وکیل اور سماجی کارکن کی اتنی برائی کی کہ میں پریشان ہوگیا۔کہنے لگے کہ وہ ایک بیرونی ایجنٹ ہے۔غدار اور ملک دشمن ہے۔اسکا ایجنڈا ہی ملک کو نقصان پہنچانا ہے۔میں وکیل خاتون اور انکے شوہر کو نزدیکی طور پر جانتا تھا۔وہ خاندان عملی اور ذاتی زندگی میں انتہائی شاندار لوگ تھے اور ہیں۔دیر تک سوچتا رہا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔یہی سمجھ میں آیا کہ وہ سماجی اور قانونی کارکن،خواتین کو انصاف دلوانے کی مکمل کوشش کرتی ہیں۔اکثر ناکام ہو جاتی ہیں۔مگر کبھی کبھی کامیاب بھی رہتی ہیں۔انکا اصل قصور صرف اور صرف یہی ہے کہ

مردوں کے کنٹرول شدہ معاشرے میں کمزور فریق کا ساتھ کیوں دے رہی ہیں۔ اگر قدرت ہم سے چند لمحے انصاف نہ کرے اور کشش ثقل کے اصول کو ناپید کر دے تو اربوں لوگ چند سیکنڈوں میں ختم ہو جائینگے۔ معاشروں میں انصاف کی یہی اہمیت ہے۔ معاملہ صرف اور صرف ادراک کا ہے۔

قدرت کے ایک اور اصول "نظم وضبط" کی طرف آیئے۔ پوری کائنات اسی کلیے کے تحت کام کرتی ہے۔ بارش سے محض پانی ہی برستا ہے اور آگ ہر چیز کو خاکستر کرنے پر قادر ہے۔ کیا واقعی بحیثیت قوم ہمارا اس قیمتی قانون سے کسی قسم کا کوئی واسطہ ہے۔ قطعاً نہیں ہرگز نہیں۔ 1947 میں جب ملک وجود میں آیا تو اس علاقے نے اٹھارہ سے بیس لاکھ انسانوں کو تہہ تیغ ہوتے دیکھا۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا۔ مذہبی منافرت نے انسانوں سے ہر وہ کام کروایا جسے انسانیت سوز کہنا بہت معمولی لفظ ہے۔ نظم وضبط، نہ ذاتی حیثیت میں نصیب ہوا نا قومی سطح پر۔ تقاریر، مناظرے اور لفاظی حد درجہ۔ اصلیت یہی تھی اور ہے کہ ہم اس قدرتی اصول سے تاریخی انحراف کرتے ہیں۔ جاپان کے ایک حصے میں سیلاب آ گیا۔ متاثرین خیموں اور پناہ گاہوں میں چلے گئے۔ جب حکومت نے امداد بھجوائی تو کسی کے کہے بغیر خاموشی سے قطار میں لگ کر امداد وصول کر لی۔ کسی نے کسی کو دھکا نہیں دیا۔ کسی نے دوسرے کو یہ نہیں کہا کہ میں تو علاقے کا چوہدری ہوں، لہذا پہلے پانی یا دوائیاں لونگا۔ کیا ہمارے خطہ میں اس رویہ کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ جواب آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ چند سال پہلے کی ایک تصویر میرے ذہن پر نقش ہے۔ سینکڑوں لوگ ہیلی کاپٹر کے نیچے امداد کے تھیلوں کیلئے اوپر کی جانب ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ بے قابو انسانوں کا سیلاب ہے جو بیک وقت محض ایک تھیلے کیلئے لڑنے مرنے کیلئے تیار ہے۔ ہر قدرتی آفت میں ایک جیسا رویہ ہے۔ تحقیر آمیز، جہالت سے بھرپور۔ پر سوچیے کہ ایسے کیوں ہے۔ کس وجہ سے ہے۔ ہماری زندگیوں میں کسی قسم کا ذاتی ڈسپلن نہیں۔ دین کا ہر وقت نام لینے والوں کا رویہ بھی بالکل اسی طرح کا ہے۔ چلئے آپ ہمارے بسوں اور ویگنوں کے اڈوں کو دیکھیے۔ بس کے ایک دروازہ میں بیک وقت کئی لوگ داخل ہونے کی کوشش کرینگے۔ قطار بنانے کا تو خیر تصور ہی کوئی نہیں۔ شہروں میں ٹریفک کے معاملات قومی مزاج کی سچی عکاسی ہیں۔ حقائق عرض کر رہا ہوں جو ہر ایک کے ذہن میں ہیں۔ ہر ایک کی زندگی پر اس کے منفی اثرات ہیں۔ مگر کوئی رویہ بدلنے کو تیار نہیں۔ کیوں۔ کئی ماہرین کہتے ہیں کہ اس خطے کے لوگوں کی جینز (Genes) میں انصاف یا نظم وضبط یا دیگر اصولی معاملات نہیں۔ اس سوچ کی مخالفت کرتا ہوں کہ ہمارے ہی ہم وطن امریکہ یا برطانیہ یا دوبئی جا کر قانون کی مکمل تابعداری کرتے ہیں۔ اگر یہ نقص انکی جینز میں ہوتا تو وہ باہر جا کر منظّم کیوں ہوتے۔

تحریر کو آپ رد فرما دیجئے۔ مگر ایک اور طرف بھی نظر ڈالیے۔ ہمارے نظام میں سچ بولنا کتنا مشکل یا ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ دل پر ہاتھ رکھیے۔ کیا ہماری پوری زندگیاں، ہمارا پورا نظام سچ پر قائم ہے یا سچ کی نفی پر۔ جواب خود بخود مل جائیگا۔ ہمارے جیسے ملک میں ہر مسئلہ کا حل ہر کوئی جانتا ہے۔ مگر مسائل کو حل نہ کرنا ہماری سرشت ہے۔ مسائل کو بڑھانا ہماری خصلت ہے۔ جب صورتحال پیچیدہ ہو جائے تو پھر ذمہ داری کو دوسروں پر ڈالنا ہماری عادت ہے۔ قدرت کے انمٹ اصولوں سے مکمل انکار آج ہمیں وہاں پہنچا چکا ہے۔ جہاں سے کوئی قوم واپس نہیں آئی۔ یہ بھی آفاقی اصول ہے!

راؤ منظر حیات